AL-TABYEEN, *[ISSN (P)* 2664-1178, *(E)* 2664-1186 | *Jan-Jun-2021, Vol: 5, Issue: 1*

محمد یونس جاوید*

ڈاکٹر شمس العارفین**

ABSTRACT

Foreign policy is one of the wheels with which process of international politics operates. It is not separate from the national policy. It is an important tool to relate the relations to other countries. Foreign policies consist of aims and measures that are intended to guide government decisions and actions with regard to external affairs, particularly relations with foreign countries.

Friendly, non-threatening and peace-loving attitude seems to be the hallmarks of most states. Yet on the other hand, there could be some countries that act as hostile and aggressive and there is hardly any world force that can constrain them.

A basic and age-old problem of state systems arises from here: national security. Many states deploy armed forces to deal this particular problem. Usually, states coexist and deal with each other without breaking the internal hegemony. So the main issues of mankind are war and peace.

A great emphasis has been put in Islam in the field of international relations. Islam developed a different structure and gave a distinct understanding of international relations. Islam offers a complete handbook on international relations through his teachings. Peace works as root in the relation of countries.

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

Securing the world peace and settling disputes and anarchy are the core aims of Islamic teaching.
Keywords: مساوات، معاہدات، مستشرقین، دارالسلام، دارالحرب

اسلام ایسا الہامی دین ہے جو زندگی کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔ اس کا تعلق دنیوی اور اخروی زندگی دونوں سے ہے۔ اس میں صلح اور جنگ دونوں کے قوانین کی مساوی حیثیت ہے۔ اسی وجہ سے اس میں دین اور سیاست میں کوئی فرق روانہیں رکھا جاتا۔ دنیا کے دیگر مذاہب میں اس حوالہ سے جو افراط و تفریط پائی جاتی ہے، اسلام اس سے مبرا و محفوظ ہے۔ اس نے انسانیت کی بھلائی اور فلاح کے لیے ہر ممکن اقدامات کو نہ صرف اختیار کیا ہے بلکہ اس کے لیے عملی کاوشیں کرنے کے احکام بھی دیے ہیں۔ اگر ہم جائزہ لیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مذاہب صلح وآشتی کی تعلیم دینے کی بجائے جنگ وجدل، انتشار پسندی اور لاقانونیت کے بھنور میں پھنس چکے تھے۔ اسی لیے اسلام نے صلح وجنگ سے متعلق ایسے قواعد وضوابط اور قوانین نافذ کیے جنھوں نے دین ودنیا کی دوئی کو نہ صرف ختم کر دیا بلکہ انسانیت کو امن وآشتی کا پیغام دیا۔ بقول اقبال:

جلا ل پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دیں سیاست سے، تو رہ جاتی ہے چنگیزی[1]

مذاہب کے اندر افراط و تفریط اس قدر بڑھ چکی تھی کہ مذہبی رواداری کا کوئی وجود تک نہ تھا۔ اس بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾[2]

"یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا دین بے بنیاد ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں کا دین بے اصل

---

[1]۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، س ن، ص36

[2]۔ البقرہ 113:2

ہے۔حالانکہ دونوں اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور اسی طرح کی بات انہوں نے بھی کہی جو ایسا علم نہیں رکھتے۔"

ایسے وقت میں صرف نبی اکرم ﷺ کی دعوت حق ہی تمام انسانیت کے لیے واحد رہنمائی تھی جو تمام اقوام عالم کے لیے بلا تخصیص رنگ و نسل نجات کا ذریعہ تھی۔ آپؐ نے برابری کی بنیاد پر سب کو پیغام حق پہنچایا جس سے خدا کی کبریائی اور وحدانیت کا نور ہر طرف چمکنے لگا۔ اسلام نے اس طرح کی جاہلانہ باتوں کو ختم کیا اور تمام پیغمبروں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کو تکریم دیتے ہوئے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔

﴿كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾[1]

"سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کے رسولوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔"

اعلان کیا گیا کہ مومن تو وہ ہیں جو قرآن کے ساتھ ساتھ دیگر الہامی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ﴾[2]

"جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور جو ان سے پہلے نازل کیا گیا۔"

اسلام نے انسانی جان کو بڑا محترم اور قابل قدر گردانا ہے۔ اس لیے وہ فتنہ وفساد کے تدارک کے ساتھ ساتھ صلح جوئی اور امن کا پیغام بر بھی ہے۔ اسی لیے ہمیں قرآن وسنت میں ایسی کئی صریح نصوص ملتی ہیں جو انسانیت کے لیے صلح جوئی اور قیامِ امن وامان میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ فرمایا گیا:

﴿وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾[3]

"اور اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو۔"

فریق مخالف صلح کے لیے مسلمانوں اور اسلامی ریاست کی طرف ہاتھ بڑھائے تو اس کا مثبت انداز میں جواب دیا جانا چاہیے:

---

[1] ۔البقرہ 285:2

[2] ۔البقرہ 4:2

[3] ۔الانفال 61:8

﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾[1]

"البتہ وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جاملیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے، اس طرح وہ لوگ بھی مستثنیٰ ہیں جو تمہارے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دل برداشتہ ہیں، نہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم سے، اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ بھی تم سے لڑتے۔ لہٰذا اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمہاری طرف صلح وآشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔"

اس آیت کریمہ میں ان منافقین سے صلح اور امن کا حکم مرحمت فرمایا گیا ہے جو خود بھی آپؐ اور مسلمانوں سے لڑائی یا جنگ سے احتراز کا رویہ رکھتے ہوں اور اسلامی ریاست کی دوستی میں اپنی قوم سے بھی لڑنا نہیں چاہتے۔ اس لیے ان سے امن و صلح روا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپؐ کا اسوہ حسنہ مکی دور میں "حلف الفضول" سے لے کر تنصیبِ حجر اسود "تک امن و صلح کا قائدانہ کردار رکھتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی بھی ایسے کئی معاہدات اور صلح جوئی کی کوششوں سے عبارت ہے جیسا کہ جہینہ، بنو ضمرہ، بنو ضخار، بنی مدرج وغیرہ قبائل سے اس نوعیت کے معاہدات قائم کیے گئے۔ صلح حدیبیہ کا تاریخی معاہدہ اس کا واضح عکاس ہے کہ آپؐ نے جنگ وجدل کے بجائے کس طرح امن اور سلامتی کے لیے صلح کا راستہ اختیار فرمایا۔ اگر آپؐ چاہتے تو اسلام کے فدائیوں کے ساتھ مکہ میں بزور طاقت داخل ہو سکتے تھے، لیکن آپؐ نے امن کے راستہ کو ترجیح دی۔ بصورت دیگر یہ ممکن تھا کہ قریش کی طرف سے مزاحمت کی جاتی۔ اس طرح بڑا جانی نقصان وقوع پذیر ہوتا، لیکن آپؐ نے اس قرآنی فرمان پر عمل کیا:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾[2]

---

[1]۔ النساء4:90

2۔النساء4:128

"اور صلح بہتر (راستہ) ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے صلح کو عالمی مشن کی دعوت کی کامیابی اور اثر اندازی کے لیے ضروری تصور کیا، کیونکہ اس سے اختلاط، آپسی میل جول، وسعتِ قلبی اور امن و آشتی کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے مشرکین مکہ کی ہر وہ شرط قبول فرمائی جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھی اور مصالحت کی راہ اختیار کی۔[1] اسلام امن یا صلح کے نام پر ظلم و زیادتی کو قبول نہیں کرتا بلکہ وہ اس کے خاتمے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ اس آگے بڑھنے کا مقصد لوگوں کو جبر و تشدد سے بچانا ہے تاکہ عدل وانصاف کا قیام ممکن ہو سکے۔ آپؐ کی سیرت طیبہ سے ہمیں اصول ملتا ہے کہ جنگ کا اقدام بھی اسی وقت اٹھایا گیا جب کہ اس کے لیے حالات ناگزیر ہو گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قریشِ مکہ نے مسلمانوں کو مدینہ پہنچ کر بھی چین نہ لینے دیا۔ ان کی ہمہ وقت یہی کوشش رہی کہ مسلمان اطمینان سے اسلامی ضابطہ حیات کے مطابق اپنی زندگیاں بسر نہ کر سکیں۔

اس مقصد کے لیے انہوں نے جارحانہ اقدام تک سے گریز نہ کیا۔ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق یہ سب کفار مکہ کی طرف سے ہی جارحانہ کارروائیاں تھیں۔ ان جنگوں میں مسلمان صرف ہمیں اپنا دفاع کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان جنگوں میں بھی جب ہم دشمن اور مسلمانوں کے جانی نقصانات کے اعداد و شمار دیکھتے ہیں تو ہم آپؐ کی حربی مہارت اور قائدانہ صلاحیتوں کے معترف ہو جاتے ہیں کہ عہدِ مدنی میں دس سال کے عرصہ میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ ۲۷۴ مربع میل کی روزانہ اوسط سے فتح ہوا اور اس دوران جنگوں میں دشمن کے ماہانہ دو سے بھی کم آدمی قتل ہوئے۔[2] صلح کی روش کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾[3]

"پس جس نے معاف کیا اور صلح کی راہ اختیار کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔"

1۔ابن القيم الجوزية ،شمس الدين محمد بن أبى بكر،زاد المعاد فى هدي خير العباد،مكتبه السنة المحمديه، ۱۳۷۱ھ،319:6

2۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، 1981ء، ص244

3۔ الشوریٰ40:42

اسلامی تعلیمات کے مطابق اگر کوئی فرد جنگ کے میدان میں مسلمانوں کو سلام کہتا ہے اور ان سے لڑائی سے گریز کرتا ہے تو اس سے اچھے اور غیر جانبدارانہ رویہ کا اظہار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس بارے میں سورہ النساء میں فرمایا گیا ہے:۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ﴾[1]

"اے ایمان والو!جب تم اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے۔اگر تم دنیوی فائدہ چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت سے اموال غنیمت ہیں۔"

عام طور پر مستشرقین اور اہل مغرب کی طرف سے یہ تاثر پھیلایا جاتا رہا ہے کہ اسلام جنگ وجدل اور تلوار سے پھیلا ہے جبکہ یہ دعویٰ سراسر باطل اور لغو ہے۔اسلام دعوت واشاعت، تبلیغ اور حسن اخلاق و کردار کے زور سے پوری دنیا میں پھیلا ہے نہ کہ جنگ اور تلوار کے زور سے۔اسلام میں خارجہ تعلقات کی بنیاد امن اور صلح پر ہے،جنگ پر نہیں۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"لاتتمنوالقاءالعدو،وسلوالله العافية- فاذا لقيتموهم فاصبروا،"[2]

"دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگتے رہو،پس جب میدان جنگ میں تمہارا سامنا ہو تو صبر کرو۔"

ایک اور جگہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:۔

"الصلح جائز بين المسلمين الا صلحاً حرم حلالاً وأحل حراماً-"[3]

"مسلمانوں پر ہر صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کردے اور حرام کو حلال

1۔النساء4:94

2۔البخاری،ابوعبدالله،محمدبن اسماعیل،الجامع ،دارالسلام، لاہور،۱۴۳۳ھ،کتاب الجهاد والسير،باب لا تمنوالقاء العدو، رقم:3025

3۔محمدبن شمس الحق ، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، دارالفکر ، بیروت،1979ء،9:515

کر دے۔"

ہجرت کے بعد آپؐ نے مدینہ اور اس کے گردونواح (مغرب اور شمال) میں واقع قبائل کے ساتھ قریش مکہ کی طرح حلیفانہ تعلقات استوار کرنے کے لیے وفود ارسال فرمائے۔ ان وفود کے ذریعہ آپؐ نے ان کے ساتھ نہ صرف خارجہ تعلقات کا آغاز کیا بلکہ دوستی اور باہمی تعاون کے سمجھوتے بھی طے پائے۔ چونکہ یہ قبائل ایک اہم تجارتی شاہراہ کے پاس واقع تھے، اس لیے ان قبائل سے تعلقات ریاستِ مدینہ کے تحفظ و سلامتی اور سیاسی ضروریات کے لیے بھی اہمیت رکھتے تھے۔ اگرچہ ان وفود کے ساتھ حفاظتِ خود اختیاری کے تحت مسلح دستہ بھی روانہ کیا جاتا تھا، لیکن اس کا مقصد لڑائی یا جنگی اقدام نہیں ہوتا تھا۔

"قد كان رسول اللهﷺ بعث فيما حول مكة السرايا تدعوا الى الله عزوجل ولم يامرهم لقتال-"[1]

"بے شک رسول اللہؐ نے مکہ کی اطراف میں سرایا بھیجے تا کہ اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور ان کو قتل کا حکم نہیں دیا۔"

ان وفود یا سرایا کے ذریعہ جن اہم قبائل سے صلح و دوستی کے معاہدات کیے گئے ان میں جہینہ، بنو ضمرہ، بنو غفار، اسلم، بنو مدلج وغیرہ شامل ہیں۔

"قد حالف علينا اهل الطريق وعاهدهم-"[2]

راستوں کے قبائل سے حلیفانہ تعلقات قائم کیے اور ان کے ساتھ معاہدات کیے۔

حدیث میں آتا ہے:۔

"أوفوا بحلف الجاهلية فان الاسلام لا يزيده الا شدة- "[3]

"جاہلیت کے حلف کی مکمل پابندی کرو، کیونکہ اسلام اس کی شدت میں اضافہ ہی کرتا ہے۔"

---

[1]۔الطبری ،محمد بن جریر،تاریخ الرسل والملوک،دارالکتب العلمیه، بیروت،2008ء، 2 :1649۔شبلی نعمانی،سیرت النبیؐ، مکتبه اسلامیه لاہور،2012ء،1:401

[2]۔ابن سعد،ابو عبدالله محمد، الطبقات الکبریٰ،دارصادر، بیروت،1958ء،2:21

[3]۔الترمذی،ابوعیسیٰ محمد بن عیسی،جامع ترمذی،مترجم:مولانا بدیع الزماں،نعمانی کتب خانه، لاہور، 2012ء،کتاب السیروباب: ما جاء فی الحلف، رقم:1585

انہی مقاصد کے پیش نظر آپ ﷺ نے ہر اس قبیلہ سے صلح کی جس نے بھی صلح کی طرف رغبت کا اظہار کیا۔ رسول اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اسلام کے قانون بین الممالک کا سلسلہ فروغ پذیر اور وسعت پذیر ہوتا چلا گیا۔ مدینہ پہنچ کر پہلا اہم سیاسی نوعیت کا کام "میثاق مدینہ" کے نام سے کیا جانے والا ایک کثیر الجہت معاہدہ انجام پایا جس نے مدینہ اور اس میں رہنے والے مختلف گروہوں کو ایک مشترکہ دستور کے بندھن میں باندھ دیا۔ یہ اسلام کے صیغہ خارجہ کا پہلا معاہدہ تھا جس سے اسلامی معاشرہ کے مقاصد کی تکمیل میں زبردست مدد حاصل ہوئی۔ سیرت نگاروں نے اس کی مختلف شقوں کی تعداد ۴۷ یا ۵۲ بیان کی ہیں۔ اس میثاق نے یثرب (مدینہ) میں اسلامی ریاست کی تنظیم سازی کی باقاعدہ بنیاد رکھ دی۔ یہ تاریخ میں پہلا معاہدہ تھا جو کسی ریاست کو چلانے اور اس کے خارجہ تعلقات میں صلح و جنگ کی اقدار پر مبنی تھا۔ اس نے مدینہ کے متحارب قبائل کے درمیان سوا سو سالہ جنگ کو ختم کر دیا۔ اس طرح آپ ؐ نے اسلام کے قانون بین الممالک کی عالمی برتری کو تسلیم کروالیا۔[1] اس معاہدہ سے مدینہ کی ریاست کو عسکری، سیاسی اور خارجی سطح پر کئی فوائد حاصل ہوئے جن سے اس کی نشو و نمو ہوتی گئی۔

1۔ مدینہ میں ایک اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی راہ ہموار ہو گئی۔

2۔ اسلامی ریاست کا وجود من الحیث مجموعی تمام باشندگانِ شہر نے قبول کر لیا۔

3۔ اس نوزائیدہ ریاست کے حاکم اعلیٰ کی ذمہ داری آپ ؐ نے سنبھالی اور تمام حتمی فیصلوں کا مرکز آپ ؐ کی ذات بابرکات تھی۔

4۔ ریاست مدینہ کو اندرونی اور بیرونی لحاظ سے تحفظ و سلامتی کا احساس اجاگر ہوا۔

5۔ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لیے مسلمانوں کو ایک محفوظ مرکز میسر آ گیا۔

6۔ شہر مدینہ کے اجتماعی تحفظ اور سلامتی کے لیے تمام فریق ایک صفحہ پر اکٹھے ہو گئے اور بیرونی حملہ کا خطرہ وقتی طور پر ٹل گیا۔

---

[1] ۔غازی، محمود احمد، "رسول اللہ ﷺ اور قانون بین الممالک"، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، 2013ء، ص96-97

اسی طرح صلح حدیبیہ کا معاہدہ بھی اسلامی تاریخ میں ایک اہم حیثیت کا حامل ہے۔اس معاہدہ نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو نہ صرف قریش مکہ سے الگ اور جداگانہ حیثیت سے منوالیا بلکہ خارجہ تعلقات کے باب میں نئی پیش رفت کا باعث بن گیا۔ڈاکٹر حمید اللہؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے سخت اور نازک ترین زمانے میں حدیبیہ میں قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی "فتح مبین" اور "نصر عزیز" تھی جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور فوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پر امن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنالیا اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایک مستحکم حکومت قائم کر دی۔یہی وہ صلح ہے جسے عہد نبویؐ کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہا جاتا ہے۔[1] آپ لکھتے ہیں:

> "حدیبیہ میں قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانب دار رہنے پر آمادہ کر دیناوہ زبردست سیاسی اور سفارتی (ڈپلومیٹک) کامیابی کہ اس کے متعلق قرآن مجید کا دیا ہوا نام "فتح مبین" ذرا بھی مبالغہ آمیز نہیں ہے۔"[2]

ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے حدیبیہ کے مقام پر جنگ سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی حتیٰ کہ آپؐ نے اس سفر میں عام راستہ چھوڑ کر ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا جو کہ مشکل اور دشوار تھا تاکہ آپؐ جنگ سے بچ سکیں۔آپؐ اپنا لشکر حدیبیہ لے آئے اور یہاں پہنچ کر بھی امن قائم رکھنے کے مقصد پر قائم رہے۔آپؐ نے گفتگو کا میدان بڑا فراخ کر دیا اور جب مشرکین کے کچھ آدمیوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو پھر بھی آپؐ قریش سے نہ الجھنے کی حکمت عملی پر کاربند رہے۔یہاں تک کہ آپؐ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کرنے میں کامیاب رہے۔حالانکہ آپؐ کے بعض صحابہؓ نے صلح کے اس معاہدے کی بعض شرائط کو ناپسند کیا۔[3] صلح حدیبیہ نے اسلامی تحریک پر ہمہ گیر اور دوررس اثرات مرتب کیے۔ان میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں:۔

1۔جنگ نہ ہونے اور صلح کے معاہدہ کی وجہ سے مکہ میں موجود مسلمان محفوظ ہو گئے کیونکہ اس طرح ان کے

---

[1]۔حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، نگارشات پبلشرز، لاہور، 2013ء، ص 96

[2]۔ایضاً، ص 103

[3]۔شیخ، اسد سلیم، رسولؐ اللہ کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1992ء، ص 220

مارے جانے کا شدید اندیشہ تھا۔ سورہ فتح میں ارشاد ہے:۔

﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[1]

"اور اگر (شہر مکہ) میں کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں نہ ہوتیں کہ تم ان سے ناواقف تھے (اور لڑائی کی صورت میں) تم کو پامال کر دیتے اور نادانستہ تم کو ان کی طرف سے نقصان پہنچ جاتا۔"

2۔امام زہری فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس طرح کی فتح نصیب نہ ہوئی۔ آپس کی لڑائی کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے تھے۔ صلح کی وجہ سے یہ لڑائی ختم ہوئی اور امن قائم ہوا اور جو لوگ اسلام ظاہر نہیں کر سکتے تھے، وہ اعلانیہ طور پر احکام اسلام بجالانے لگے۔ آپس کی منافرت اور کشیدگی دور ہوئی، بات چیت کا موقع ملا، مسائل اسلامیہ پر گفتگو اور مناظرہ کی نوبت آئی، قرآن کریم کو سنا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کے بعد اس کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ ابتدائے بعثت سے اس وقت تک اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔[2]

3۔ صلح حدیبیہ نے یہ بات ثابت کر دی کہ مسلمان ایک صلح جو اور امن پسند قوم ہے جو مذہبی تنازعات کو ہوا دینا نہیں چاہتے۔

4۔ایک مفکر کے مطابق: اس معاہدہ میں پہلی مرتبہ اسلامی ریاست کا باقاعدہ وجود تسلیم کیا گیا جبکہ اس سے پہلے عربوں کی نگاہ میں حضور ﷺ کی حیثیت محض قریش اور قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی سی تھی اور آپؐ کو (out of law) سمجھا جاتا تھا۔ قریش نے آپؐ سے معاہدہ کر کے اسلامی ریاست کے مقبوضات پر آپ ﷺ کا اقتدار مان لیا اور قبائل کے لیے یہ دروازہ کھول دیا کہ دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاملات طے کر لیں۔[3]

---

[1]۔الفتح 25:48

2۔العسقلانی، احمد بن علی ابن حجر، فتح الباری، دارالکتب العلمیة، بیروت، 2002ء، 356:5

[3]۔مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1986ء، 41:5

5۔ قریش سے سمجھوتہ طے پانے کے بعد آپؐ کی حکمت عملی کی وجہ سے یہود کا گروہ سیاسی لحاظ سے تنہا ہو گیا۔ اس لیے آپؐ نے یہود کو ان کی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور بد عہدیوں کی سزا دینے کے لیے ان کے مرکز خیبر پر یلغار کر کے اسے فتح کر لیا۔[1] فتح خیبر نے دیگر فتوحات کے لیے بھی راستہ ہموار کر دیا۔ اہل فدک نے لڑے بغیر آپؐ کے ساتھ نصف زمینیں دے کر صلح کر لی۔ اسی طرح وادی القریٰ کے یہود نے بھی شکست تسلیم کر کے اہل خیبر کی شرائط پر صلح کر لی اور جزیہ کی ادائی پر مجبور ہو گئے۔[2] ان تمام فتوحات سے عرب قریش اتحادی سیاست سے نکل گئے اور قریش مکہ، یہود اور دیگر قبائل کا جنگی اتحاد ٹوٹ گیا تھا۔ اس طرح سورہ فتح کی خوشخبریاں فتح قریب[3]، مغانم کثیر[4] اور غنائم اخروی[5] بھی پوری ہوئیں۔

6۔ قریش مکہ کی بدعہدی کے سبب صلح حدیبیہ کا معاہدہ بھی ٹوٹ گیا جس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ قریش کی عہد شکنی کے باوجود آپؐ نے صلح حدیبیہ کی سپرٹ کو فتح مکہ کے موقع پر بھی ملحوظ رکھا اور امن و سلامتی سے اسے فتح کر لیا گیا۔ اس طرح دو سال کے اندر ہی عرب میں طاقت کا توازن بدل کر قریش مکہ سے اسلامی ریاست کے حق میں ہو گیا۔

7۔ صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب امن کا دور میسر آیا تو آپؐ نے دیگر ممالک کے سربراہان، فرمانروانِ عرب اور روسائے قبائل کو خطوط اور مکاتیب ارسال فرمائے۔[6] ان خطوط کا مقصدِ بنیاد تبلیغ اور اشاعت اسلام کے علاوہ قیام امن بھی تھا۔

عہد نبویؐ کے دیگر اہم صلح ناموں میں تبوک کا معاہدہ صلح اور صلح نامہ ثقیف بھی شامل ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے کئی دوسرے قبائل اور اقوام سے بھی صلح کے معاہدات فرمائے جن کی تفصیل سیرت و مغازی کی کتب میں ملتی ہیں۔

1۔ ابن هشام، محمدعبدالملك، السيرة النبوية ،دار ابن حزم، بيروت ،2009ء ،ص51
2۔البلاذری، أحمد بن يحیٰ ،فتوح البلدان،دارالكتب العربية، بيروت،1987ء ،ص41
3۔الفتح18:48
4۔الفتح19:48
5۔الفتح21:48
6۔سیرۃ ابن ہشام،ص642-643

مسلم ریاستوں کے مابین صلح کا حکم

اسلامی تعلیمات نے جہاں غیر مسلموں کے ساتھ صلح وامن کا راستہ اپنانے کا حکم دیا ہے وہیں اگر دو مسلمان گروہوں میں جھگڑا یا تنازعہ پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان بھی صلح کروانے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾[1]

"اور اگر مومنوں کے دو گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کروادو۔ پھر اگر ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر حد سے تجاوز کرے تو اس سے لڑائی کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل اور قسط سے صلح کروادو، بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت سے درج ذیل احکام نکلتے ہیں:۔

ا۔ اگر مسلمانوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں مصالحت کروانی چاہیے۔

ب۔ اگر کوئی ایک فریق اس پر آمادہ نہ ہو اور زیادتی کرے تو اس کے خلاف طاقت استعمال کی جاسکتی ہے۔

ج۔ فریقِ مخالف کے خلاف یہ طاقت اسی وقت تک استعمال کی جاسکتی ہے جب تک وہ صلح پر آمادہ نہ ہو جائے۔

د۔ اگر وہ صلح پر آمادہ ہو جائے تو طاقت و قوت کا استعمال فوری طور پر بند کر دیا جائے گا۔

ھ۔ ایک گروہ کو دوسرے پر زیادتی کی صورت میں تماشائی نہیں بننا چاہیے اور نہ ہی غیر جانب دار رہا جاسکتا ہے۔

و۔ تیسرے مسلمان گروہ کو غیر جانب دار رہ کر صلح اور مصالحت کی کوشش کرنا چاہیے۔

تنازعہ یا لڑائی کے خاتمہ کے لیے صلح کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔ اگر کوئی فریق اس پر آمادہ نہ ہو تو حق پر قائم گروہ کا ساتھ دیا جائے گا اور فریقِ مخالف کو ظلم و زیادتی سے بزور قوت روکا جائے گا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو

---

[1] ۔الحجرات 49:9

فتنہ وانتشار پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ اسی بات کو آپؐ نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"انصر اخاک ظالما او مظلوما" (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تاخذہ فوق یدیہ"[1] (اس کا ہاتھ پکڑ لو۔)

قرآن کریم میں ایک اور جگہ یوں بیان ہوا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[2]

"بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

بین الریاستی سطح پر اگر دو مسلم ریاستوں یا گروہوں کے مابین جھگڑا یا تنازعہ کی کیفیت پیدا ہو جائے تو دیگر مسلم ریاستوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس جھگڑے یا تنازعہ کے حل کے لیے ان کے درمیان مصالحت اور صلح کی کوشش کریں۔ اگر ایسی کوشش نہ کی جائے گی تو معاملات ایسا رخ اختیار کر سکتے ہیں جو ہولناک تباہی کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ غیر یقینی صورت حال کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس ضمن میں مسلم ریاستوں اور عالم اسلام کا کردار کچھ اچھا نہیں رہا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب یمن تنازعہ میں ۲۰۱۵ء سے شروع ہونے والی جنگ ابھی تک جاری ہے اور کوئی فریق بھی اس سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔ اگرچہ چند ممالک نے اس ضمن میں اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش ضرور کی ہے، لیکن ان کا کردار اس کو منطقی حل تک پہنچانے میں ناکام رہا اور یہ مسئلہ جوں کا توں موجود ہے۔ اس کی بنا پر نہ صرف مسلم ریاستوں کے وسائل ضائع ہو رہے ہیں بلکہ جانی اور مالی نقصان بھی الگ سے ہو رہا ہے۔

---

[1] ۔البخاری، محمدبن اسماعیل،الجامع الصحیح، دارالسلام، لاہور۱۴۳۳ھ،کتاب المظالم،باب:لایظلم المسلم المسلم،حدیث رقم:2444

[2] ۔ الحجرات10:49

مقاصد صلح

بین الریاستی تعلقات میں اسلامی تعلیمات کے صلح وامن پر زور دینے کے کچھ مقاصد ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

امن عالم کا قیام

اسلام امن وآشتی کا دین ہے اور اس کی اساس بھی امن ہی ہے۔ یہ دنیا میں انصاف کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اجتماعی امن کے قیام کا علمبر دار ہے۔ اس لیے یہ امن کے قیام کے بعد اس کو خراب کرنے کی اجازت نہیں دیتا:

﴿ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ﴾[1]

اور زمین میں اصلاح (امن) کے بعد فساد نہ برپا کرو۔

گویا امن کا خاتمہ فتنہ وانتشار کا باعث بنتا ہے۔ اسی لیے آپؐ کی تمام مہمات کا مقصد امن و صلح کا قیام ہی رہا۔ اسی بات کی تلقین آپؐ نے مسلمانوں کو بھی فرمائی۔ آپؐ کا فرمان ہے:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔"[2]

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

فلاح انسانیت

اسلام نے جس قدر عزت وتکریم انسانیت کو بخشی ہے کسی اور مذہب میں اس کا تصور بھی نہیں ملتا۔ فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ ﴾[3]

"بے شک ہم نے بنی آدم کو تکریم بخشی۔"

انسانیت کی عظمت کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہوا:۔

---

[1] ۔الاعراف 56:7

[2] ۔صحیح بخاری،کتاب الایمان،باب:المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، رقم:10

[3] ۔ بنی اسرائیل 70:17

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾[1]

"تحقیق ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔"

اسلام کا تحیہ ہی سلامتی ہے اس لیے وہ انسانیت کی بھی سلامتی و خیر خواہی کا علمبر دار ہے۔ محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں کہ:

"اسلام کا مطمع نظر چونکہ انسانیت کی فلاح وبہبود ہے۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ روحانی، مادی، فکری اور طبعی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا جائے۔ اسلامی تعلیمات کی غرض وغایت بھی یہی ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی ہر قسم کے اختلال سے محفوظ رہے اور معاشرے میں فتنہ وفساد پیدا نہ ہونے پائے جو کہ اجتماعی زندگی کے نظام کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔"[2]

تبلیغ واشاعت اسلام

اسلام کے مقاصدِ صلح میں سے ایک اہم مقصد اس کی تبلیغ واشاعت کرنا بھی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امن وامان اور صلح کے دور میں جس قدر تبلیغ واشاعتِ اسلام کے لامحدود اور وافر مواقع میسر آتے ہیں اتنے جنگ وجدل کے ادوار میں نہیں ملتے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے بعد اسلام کی اشاعت عرب میں ہوئی کہ دوسال کے قلیل عرصہ میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے کہ اس سے قبل اتنے افراد مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حالانکہ حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ پر جنگ تھوپنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ قریش نے آپ ﷺ کو بیت اللہ کی زیارت کرنے کی اجازت نہ دی۔ آپ ﷺ سے درشتی سے پیش آئے۔ آپ ﷺ کے سفیر کو مکہ میں روک لیا۔ آپؐ پر حملہ کے لیے چھاپہ مار بھیجے، لیکن ان تمام اقدامات کے باوجود آپ ﷺ نے صبر وعزیمت کا دامن تھامے رکھا۔ جب صلح نامے کے لیے قریش نے شرائط پیش کیں تو آپؐ نے نہ صرف انہیں تسلیم کر لیا بلکہ ان پر مکمل عمل درآمد بھی کیا۔ یہ صلح آپ ﷺ کے کمال تدبر کا نتیجہ تھا۔ اسی وقفہ امن میں آپ ﷺ نے مختلف سربراہانِ حکومت کو اسلام کے دعوتی وتبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔

---

[1] ۔ التین 95:4

[2] ۔ قریشی، محمد صدیق، پیغمبرؐ حکمت وبصیرت، الفیصل ناشران، لاہور، 2005ء، ص92

مساوات انسانی کا فروغ

اسلام کا دنیا پر سب سے بڑا احسان مساواتِ انسانی عام کرنا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے لیے جبر واکراہ بالکل روا نہیں رکھا گیا:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[1]

"دین میں کوئی جبر نہیں، تحقیق ہدایت گمراہی سے واضح ہو گئی۔"

آپؐ نے اپنی تعلیمات سے انتشار کو وحدت اور ظلم و ستم کو اخوت و مساوات میں بدلا۔ اسلام کی آواز پر لبیک کہنے والے معاشرے کے مظلوم اور پسے ہوئے افراد تھے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کی بدولت مساوات اور جمہوریت نے جنم لیا جو اس سے پہلے دنیا میں موجود نہ تھی۔ اب دولت اور حسب و نسب کے پیدائشی دعوؤں کی کوئی اہمیت نہ رہی۔[2] اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کیا ہے۔ ذات پات اور نسل صرف پہچان کے لیے بنائی گئی ہے نہ کہ تفاخر اور حسب و نسب پر غرور و تکبر کے لیے۔ فرمایا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[3]

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔"

آپ ﷺ کا اس بارے میں ارشاد ہے:

"الناس من آدم وآدم من تراب"[4]

"تم سب آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔"

---

[1]۔ البقرہ 256:2

[2]۔ محمد صدیق، پیغمبرِ حکمت و بصیرت، ص 60

[3]۔ الحجرات 13:49

[4]۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی، ص 549

آپؐ نے مساوات انسانی کی ایسی مثالیں پیش کیں جن کو پیش کرنے سے اقوامِ عالم عاجز رہیں۔ آپؐ نے انسانی برابری اور مساوات کی ایک مثال یہ پیش کی کہ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے اپنی پھوپھی زاد اور سید زادی حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح کروایا۔

شرائط صلح

عہد رسالت اور دور خلفائے راشدین میں صلح ناموں (معاہدات) میں جو مجموعی نوعیت کی شرائط طے کی جاتی تھیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

ا۔ ہر مذہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہو گی۔ اس بات کو آپ ﷺ نے میثاق مدینہ میں اس طرح درج کروایا تھا:۔

"لليهود دينهم للمسلمين دينهم-"[1]

"یہود کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین ہے۔"

۲۔ کسی مذہب کے معابد (عبادت گاہوں) کو گرایا یا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ جیسا کہ آپؐ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے طے کیا تھا:۔

"أن لاتهدم لهم بيعة ولايخرج لهم قس،ولا يفتنواعن دينهم،مالم يحدثواحرثاً أو ياكلوا الربا-"[2]

"ان کے کسی معبد کو نہیں ڈھایا جائے گا۔ ان کے کسی پادری کو نہیں نکالا جائے گا۔ ان پر ان کے دین کی تبدیلی کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ برقرار رہے گا جب تک وہ کوئی نئی بات نہ نکالیں یا سود نہ کھائیں۔"

اہل صلح کو اپنے مذہب پر عمل کی اجازت ہوتی ہے اور انہیں اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے معابد کو ڈھایا نہیں جائے گا۔ وہ اپنے نئے معابد بھی تعمیر کرسکتے ہیں۔ البتہ جن شہروں کو

1۔حميدالله،محمد،مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوىﷺوالخلافة الراشدة،دارالارشاد، بيروت،1969ء، ص28

2۔السجستانى،سليمان بن الاشعث،سنن أبى داؤد،دارالسلام، لاہور،۱۴۲۷ھ ، كتاب الخراج والفىء والامارة،باب: أخذ الجزية،حديث رقم:3041

"امصارالمسلمین" قرار دیا جاچکا ہو، وہاں انہیں ایسی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے معابد تعمیر کر سکیں۔ کتاب الخراج میں امام ابویوسفؒ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اہل حیرہ کے ساتھ کیے گئے معاہدہ صلح کی جو شقیں بیان کی ہیں، ان میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے کسی معبد یا کلیسا کو نہیں ڈھایا جائے گا، نہ ہی ان محلوں میں سے کسی محل کو ڈھایا جائے گا جہاں وہ دشمن کے حملے کے وقت پناہ لیتے تھے۔ ان کو کلیسا کی گھنٹیاں بجانے یا اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے منع نہیں کیا جائے گا۔[1] سیدنا عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں بھی معاہدات صلح میں اس طرح کی شرائط موجود ہوتی تھیں۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے:

"ولا یکرھون علی دینھم،ولا یضار أحد منھم-"[2]

"ان پر ان کے دین کی تبدیلی کے لیے کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی، نہ ہی ان میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا۔"

۳۔ غیر مسلموں سے معاہدہ کرتے وقت اس بات کی توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی نمازوں کے اوقات کا خیال رکھیں گے اور اس دوران اپنی گھنٹیاں نہیں بجائیں گے۔ کتاب الخراج میں ہے:۔

"أن یضربوا ،واقیھم فی ،أی ساعة شاء وامن لیل ونھار إلا فی أوقات الصلوٰات-"[3]

"وہ نمازوں کے اوقات کے ماسوا دن اور رات کے جس پہر میں بھی چاہیں اپنی گھنٹیاں بجا سکیں گے۔"

۴۔ معاہدہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ اپنے علاقے میں کسی قسم کا سودی کاروبار نہیں کریں گے۔ اہل نجران کے ساتھ شرائط معاہدہ میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے:۔

"ولا یفتنوا عن دینھم،مالم یحدثواحرثاً أو یاکلوا الربا-"[4]

"ان کے دین کی تبدیلی کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا۔ معاہدہ برقرار رہے گا جب تک کوئی نئی بات نہ نکالیں یا سود نہ کھائیں۔"

---

[1] ۔ابویوسف،یعقوب بن ابراہیم،کتاب الخراج،المطبعة السلفیة، القاھرة، ١٣٩٦ھ ،ص154
[2] ۔ایضاً ،ص 149
[3] ۔ایضاً،158
[4] ۔سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفیء والامارة،باب :أخذ الجزیة،حدیث رقم: 3041

امام سرخسیؒ نے اس سے یہ اصول اخذ کیا ہے:

"الربا مستثنیٰ من کل عھد-"[1]

"سود ہر معاہدے سے مستثنیٰ ہے۔"

۵۔ بعض معاہدات میں یہ شرط بھی تھی کہ ان کے تاجروں کو دارالاسلام میں تجارت کی مکمل اجازت ہو گی۔ اس بارے میں بیان کیا جاتا ہے:

"ولتجارهم أن يسافروا الى حيث أرادوا من البلاد التى صالحنا عليها-"[2]

"اور ان کے تاجروں کو اجازت ہے کہ جن علاقوں سے ہم نے صلح کی ہے ان میں جہاں جانا چاہیں، جائیں۔"

قرآن مجید میں کئی جگہ پر گھریلو معاملات سے بین الاقوامی اختلافات تک سب کو صلح سے حل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔جنگ کو آخری چارہ کار کے طور پر ہی قبول کیا گیا ہے۔سیرت طیبہ میں شاید ہی کوئی معرکہ (معاقبانہ مہمات کو چھوڑ کر) ایسا ہوا ہو جس میں آپؐ نے قبل از جنگ مصالحت اور پر امن گفت وشنید سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔آپؐ کے کیے گئے عرب قبائل اور گردونواح کی ریاستوں سے معاہدات اس کی نمایاں مثال ہیں۔یہ معاہدات آپؐ کی کامیاب سفارت کاری اور گفت وشنید کے ذریعہ پر امن تعلقات کو قائم کرنے کے درخشاں مظاہر ہیں۔بعد میں خلفائے راشدین نے بھی اسی طرزِ عمل کو جاری رکھا۔حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے معاصر حکمرانوں سے ذاتی تعلقات اور ہدایا کا تبادلہ اس کے معروف نظائر ہیں۔عباسی خلفا منصور اور ہارون الرشید نے اس حکمت عملی کو مزید آگے بڑھایا۔ہارون الرشید نے فرانس کے شارلماں سے دوستانہ تفاہم پیدا کیا اور ایک طویل کشمکش کو دوستی میں بدل دیا۔[3]

مسلمانوں اور غیر مسلموں میں نزاع کی صورت

اس صورت میں کوئی اسلامی ریاست اور غیر مسلموں کے مابین نزاع یا جنگ کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔قرآن کریم میں اس بارے میں ارشاد ہے:۔

---

[1]۔السرخسی،أبوبکرمحمد بن احمدبن أبی سھل،المبسوط(تحقیق:الدکتور حسن اسماعیل الشافعی)دارالکتب العلمیة، بیروت،1997ء،کتاب الحدود،60:9

[2]۔کتاب الخراج،ص158

[3]۔غازی، محمود احمد،ڈاکٹر،اسلام اور مغرب تعلقات،زوار اکیڈمی پبلیکیشنز ناظم آباد کراچی،2019ء، ص271

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[1]

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور برائی اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں کسی کا ساتھ نہ دو۔"

اگر اسلامی ریاست اور مسلمان حق پر ہیں اور دوسرا فریق ظلم وزیادتی کا مرتکب ہو رہا ہو تو مسلمانوں اور دیگر اسلامی ممالک کو اس اسلامی ریاست کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ اس بارے میں واضح احکام موجود ہیں۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا﴾[2]

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں نکلتے جو کہتے ہیں، اے خدا! ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے خاص اپنی طرف سے ایک محافظ و مددگار مقرر فرما۔"

اس بحث سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اسلامی ریاست کی یہ حتی الامکان کوشش ہونی چاہیے کہ وہ کسی شرعی سبب کے بغیر جنگ میں شامل نہ ہو۔ اس طرح اسلام کے نزدیک اصل چیز امن ہے جب کہ جنگ ایک عارضی چیز ہے۔ اس لیے امن کو ہی ترجیح دینا چاہیے اور جب تک جنگ کا کوئی محرک نہ ہو اس وقت تک اس میں کودنا درست نہیں ہے۔[3] وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ نے غیر جانب داری کے وجود کو ایک مادی حقیقت کے طورپر ماناہے۔ اس کی ایک مثال داراسلام اوردارالحرب کے درمیان ایک تیسرے گھر "دارالعھد" کا اسلامی تصور ہے۔ اس لیے کہ ہماری نظر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کی بنیاد امن پر ہے، جنگ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی دو حصوں میں تقسیم بالکل ایک عارضی

---

[1] ۔ المائدہ 2:5

[2] ۔ النساء 75:4

[3] ۔ ندوی، مجیب اللہ، اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، 1990ء، ص 138

تقسیم تھی۔یہ شریعت کی طرف سے مقرر کی ہوئی تقسیم نہیں۔[1]

خلاصۂ بحث

اسلام ایسا دین ہے جس کا تعلق دنیوی اور اخروی زندگی دونوں سے ہے۔اس میں صلح اور جنگ دونوں کے قوانین کی مساوی حیثیت ہے۔اس نے انسانی جان کو بڑا محترم اور قابل قدر گردانا ہے۔اس لیے وہ فتنہ وفساد کے تدارک کے ساتھ ساتھ صلح جوئی اور امن کا پیغام بر ہے۔اسلام میں صلح کے مقاصد میں امنِ عالم کا قیام، فلاحِ انسانیت، تبلیغ واشاعتِ اسلام، مساواتِ انسانی کا فروغ وغیرہ شامل ہیں۔ صلح کے اس وسیع تصور کو صرف اسلامی تعلیمات نے ہی انسانیت کے سامنے پیش کیا۔اسلامی تعلیمات سے یہ واضح اصول بھی نکلتا ہے کہ اسلام میں خارجہ تعلقات کی بنیاد امن اور صلح پر ہے، جنگ پر نہیں۔

آپ ﷺ کی جنگیں واحد جنگیں تھیں جن کا اختتام امن وسلامتی کے سنہری دور سے ہوا۔ آپ ﷺ نے جس دین اور نظریہ حیات کے دفاع کے لیے تلوار اٹھائی تھی، اس دین اور نظریہ حیات کے کسی ایک اصول یا فرمان کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ نے کم از کم جانوں کے اتلاف کی حکمتِ عملی اختیار کی۔ تھوڑی تعداد سے بڑے لشکروں کو ہزیمت سے دوچار کیا۔جنگ وجدل سے بچنے کی ہر ممکن کوشش وکاوش کی۔جب آپ ﷺ کو مجبور کیا گیا کہ آپ ﷺ اپنے دفاع کے لیے اقدام کریں تو تبھی آپ ﷺ میدانِ عمل میں نکلے۔ آپ ﷺ کے اقدامات نے انا، جذبہ انتقام، نسلی تفاخر، غنائم کے حصول کے لیے جنگ آزمائی کو باطل قرار دیا۔اس کی بجائے ایک ایسا واضح اور برتر مقصد ان کے سامنے رکھا جو کہ ان کی فطرت سلیم کی امنگوں پر پورا اترتا تھا۔

---

[1]۔وہبہ الزحیلی، الدکتور، العلاقات الدولیۃ فی الاسلام، (بین الاقوامی تعلقات: اسلامی اور بین الاقوامی قانون کا تقابلی مطالعہ) ترجمہ: مولانا حکیم اللہ، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، 2010ء، ص254